ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
بیاد
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۰ راگست ۱۹۸۲ء

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّۃُ وَالْفَرَاغُ رواہ البخاری۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت کی گئی انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو نعمتیں ہیں ان میں بہت سے لوگ نقصان اٹھاتے ہیں ایک ان میں سے تندرستی اور دوسری فراغت ہے۔

عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْیٍ اَسَکَّ مَیِّتٍ قَالَ اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنَّ ھٰذَا لَہٗ بِدِرْھَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّہٗ لَنَا بِشَیْئٍ قَالَ فَوَاللّٰہِ لَلدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا عَلَیْکُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جابر سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیڑ کے ایک چھوٹے کانوں والے مرے ہوئے بچے کے پاس سے گذرے، آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کون چاہتا ہے کہ یہ بچہ اسے ایک درھم میں مل جائے۔ سب نے کہا (آپ تو ایک درہم میں لینا دریافت کرتے ہیں) ہم تو کوئی چیز دے کر بھی لینا نہیں چاہتے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم البتہ دنیا اللہ تعالٰی کے ہاں اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا کہ یہ بچہ تمہاری نظر میں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ (مسلم)

ترجمہ: ابی ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا مومن کے لئے قیدخانہ ہے اور کافر کے لئے بہشت ہے۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَۃً یُّعْطٰی بِھَا فِی الدُّنْیَا وَیُجْزٰی بِھَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَمَّا الْکَافِرُ فَیُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِھَا لِلّٰہِ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا اَفْضٰی اِلَی الْاٰخِرَۃِ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ حَسَنَۃٌ یُّجْزٰی بِھَا۔ (مسلم)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالٰی کسی نیکی کے بدلہ دینے میں کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا۔ اس نیکی کے سبب سے دنیا میں اسے رزق بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی بدلہ دیا جائے گا اور کافر جو کام اللہ کے واسطے کرتا ہے اس کے سبب سے اسے دنیا میں رزق دے دیا جاتا ہے۔ جب وہ آخرت میں پہنچے گا اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوگی۔ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّھَوٰتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ۔ متفق علیہ

ابوہریرۃؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ

(باقی صد ۲۲ پر)

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان
جلد ۲۸ شمارہ: ۸
جمعۃ المبارک ۳ر شوال ۱۴۰۲ھ
رئیس الادارہ
شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
محمد سعید الرحمٰن علوی
ظہیر میر۔ ایم اے ایل ایل بی
دفاتر
کراچی: انجمن خدام الدین بلڈنگ، پہلی چورنگی ناظم آباد، کراچی ۲۱۱۴۴۳
لاہور: خدام الدین مرکز، اندرون شیرانوالہ دروازہ، فون ۶۴۹۸۴
بدل اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے
فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ
سالانہ خریداری برائے غیر ممالک
سعودی عرب ۲۰۰ روپے
کویت، اومان، شارجہ، دوبی، اردن، شام ۲۴۰ روپے
انگلینڈ، یورپ ۲۹۰ روپے
امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا ۳۶۵ روپے
افریقہ (بذریعہ) ۴۰۵ روپے
ہندوستان، افغانستان ۱۶۰ روپے
ناشر: مولانا عبید اللہ انور۔ طابع ۔۔۔
مطبع ۔۔۔ پرنٹرز ۴۹۰ ۔۔۔ لاہور

نظم جماعت اور امارت شرعیہ

امت مسلمہ جس طرح بدنظمی اور انتشار کا شکار ہے اس پر دل خون کے آنسو روتا ہے ـــــــ بالخصوص وطن عزیز پاکستان کی صورتِ حال انتہائی پریشان کن اور تشویشناک ہے۔ سیاسی افراتفری انتہا پر ہے، معاشی طور پر قوم خطرناک طبقاتی کش مکش کا شکار زندگی کے ہر دائرہ میں لڑائی جھگڑا اور فساد کی فضا ہے اور سب سے بڑھ کر "فرقہ واریت" کی لعنت نے ملک کو لپیٹ میں لے رکھا ہے "آزادی" کے اس "مقدس دور" میں "بنیادی آزادیوں" پر جس طرح قدغن ہے اس کے پیشِ نظر تفصیل سے کچھ لکھنا ممکن نہیں ورنہ ہم بتاتے کہ اس "الاؤ" میں ایندھن کون ڈال رہا ہے اور اس کو "لائن" دینے والے کون ہیں؟ ـــــــ بہرحال یہ لاوا پھٹے گا اور اس طرح کہ یہاں کسی درجہ میں کوئی بھی دین کا نام لینے والا زندہ نہ بچے گا! اے کاش اس حقیقت کو "نورانی مخلوق" بطور خاص سمجھ لے۔

بہر طور ہم آج کی صحبت میں قافلہ مجددی و ولی اللٰہی کے باقیات سے گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ وقت کا تیز رفتار پہیہ پوری شدت کے ساتھ رواں ہے۔ کسی کے لئے یہ رُک جائے، یا کسی کا انتظار کرے ناممکن ـــــــ آپ حضرات محسوس فرمائیں۔ کہ اپنی تقریر و تحریر میں "پدرم سلطان بود" کا نعرہ کسی کام نہ آئے گا ـــــــ وقت ہم سے اس اخلاص، اس دیانت اور اس جہد و عمل کا تقاضا کر رہا ہے جو ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی روایت تھی ـــــــ ہم محض ماضی کے ورثہ کے سہارے

جینا چاہتے ہیں لیکن یاد کریں کہ کائنات ارضی کے لئے خدا کے سب سے بڑے پیامبر اور نمائندے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنے مخصوص متعلقین کو ہدایت فرمائی تھی کہ "اپنی فکر خود کرنا محض میری عزیزداری کے سہارے نہ رہنا" لیکن ہم ہیں کہ بیساکھیوں کے سہارے جینا چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ وقت اور زمانہ ہمیں اپنی نگاہوں سے دیکھے جن نگاہوں سے ہمارے بڑوں کو دیکھتا تھا ——— لیکن ایسا نہیں ہوگا اور کبھی نہیں ہوگا "میزانِ عمل" میں جہد و عمل کی قیمت ہے محض نسبتیں کام نہیں آسکتیں۔ آپ نے کبھی سوچا کہ آپ کی مساجد اہل ھواء و بدع کی دسیسہ کاریوں کا کیوں شکار ہیں؟ آپ کے ادارے جن سے کبھی وقت کے غزالی و رازی نکلا کرتے تھے کیوں بانجھ ہو چکے ہیں؟ جو سیاست و معیشت اور باقی علوم و فنون میں تمہارے مدمقابل طفل مکتب تھے آج وہ ہر طرف سے فضاء پر چھائے ہوئے ہیں؟

تمہاری باہمی لڑائی کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ شاید "جنگ بعاث" کا دور پلٹ آیا ہے؟

تمہارے اسلاف نے انگریزی جبر کے زمانہ میں تنظیم جماعت کی جو نیو اٹھائی تھی اس کے نتیجہ میں دیوبند سے لے کر بدایوں اور امرتسر تک ہر ذہن و مسلک کے علماء و صلحاء، قدیم و جدید کے فضلاء اور ہر قسم کی علاقائی یا صوبائی عصبیت سے ماورا ہر شخص ایک ہی سٹیج پر تھا۔ لوگ اپنے مقدمات میں تمہارے بڑوں کی طرف رجوع کرتے حتیٰ کہ انگریز کی عدالتیں سونی ہو گئیں۔ عزیزانِ وطن کالجوں اور یونی ورسٹیوں سے نکل کر تمہارے بڑوں کے آباد کئے ہوئے آزاد تعلیمی اداروں میں آ گئے کھدر اور چرخہ ملت کا قومی نشان بن گیا۔ بدیسی معاشرت و تہذیب کی ہر روایت دم توڑ گئی ——— پر آج کیا ہے۔ سچ کہیں تو کیسے؟ کہ صنم ہری ہری کہنے لگے گا اور آپ کی جبینیں شکن آلود ہو کر رہ جائیں گی۔ آپ کے غضب سے ہم گنہگار ویسے ہی ڈرتے ہیں — لیکن آج ہم خدا لگتی کہہ رہے ہیں کہ آپ کو سنبھل جانا چاہیئے۔ گویا وقت کا یہ آخری پیغام ہے آپ کے نام ——— اپنی صفوں میں سب سے پہلے اتحاد کی فکر کریں، بڑے چھوٹوں کے لئے مہر و محبت کے جذبات پیدا کریں تو چھوٹے بڑوں کا احترام کرنا سیکھیں ——— نظم جماعت کا وہ مشن و پروگرام جو شیخ الہند، امام الہند اور دوسرے بزرگانِ سلف نے شروع کیا تھا اس کو اپنائیں اور پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ اور ایک "عازم امور و فاتح قلوب" کو اپنا امیر و امام تسلیم کر کے

امارت شرعیہ

کی داغ بیل ڈالیں تاکہ عملی دنیا میں "منافقت کا سدِ باب" ہو سکے۔

وقت کی آواز سنیں

فاعتبروا یا اولی الابصار

ورنہ ———

"تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں"

علی
۲۴ر شوال ۱۴۰۲ھ

بقیہ: احادیث الرسولؐ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخ کو خواہشاتِ نفسانی سے ڈھانک دیا گیا ہے اور بہشت کو طبیعت کو ناپسند آنے والے کاموں سے ڈھانکا گیا ہے۔

مجلسِ ذکر — ضبط و ترتیب: سلیم

اطمینانِ قلب کے حصول کا طریقہ

جانشینِ شیخ التفسیر پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم۔

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

"خبردار! دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔"

یعنی دنیا میں اگر سکون و چین حاصل کرنا چاہتے ہو تو کثرت سے اللہ کا ذکر کرو — اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچّا ہے اُس سے زیادہ سچی اور کھری بات کس کی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بہت زیادہ مال سے چین نصیب ہوگا۔ یا بہت زیادہ اولاد سے سکون حاصل ہوگا یا بہت زیادہ اقتدار حاصل ہونے سے چین ملے گا۔ بلکہ فرمایا۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ یعنی دنیا میں چین و سکون اور اطمینان صرف اور صرف اللہ کو کثرت سے یاد کرنے سے حاصل ہوگا۔

پانچ وقت کی نماز ہر ایک پر فرض ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بڑھ چڑھ کر ذکر اللہ کرے، قرآن پاک کی تلاوت کرے تو یہ اختیاری ہے، شوق کی بات ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ جو کثرت سے ذکر اللہ کریگا اسی کو اطمینانِ قلب نصیب ہوگا آپ تخت پر بیٹھے ہوں یا خاک میں لیٹے ہوں۔ اگر کثرت سے اللہ کی یاد کرتے ہوں گے تو آپ کو خوشی محسوس ہوگی۔ دلی سکون حاصل ہوگا، دنیا میں خوشحال ہوں گے اور آخرت میں شفاعت نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید اور عذاب الٰہی کا ڈر، دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ مایوسی اور ناامیدی کفر ہے ——— یاس ابلیس سے ہے اور ابلیس کا کام گمراہ کرنا ہے۔ جب امید ختم ہو جاتی ہے تو اللہ سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے پھر انسان کثرت سے نافرمانی کرتا ہے۔ دنیا میں کسی مومن نے خودکشی نہیں کی یعنی ایمان کی حالت میں کسی نے خودکشی نہیں کی۔ قرآن پاک بھرا پڑا ہے ذکر اللہ کی تلقین کے ساتھ۔

اگر کسی وقت کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کریں، اللہ کا ذکر کثرت سے کریں۔ اللہ کی رحمت آپ کی طرف متوجہ ہوگی۔ حدیث میں ہے کہ آپ اللہ کی طرف چل کر آئیں تو اللہ کی رحمت آپ کی طرف دوڑ کر آئے گی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔ ہم اپنی شان سے اللہ کا ذکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان سے فرشتوں کے سامنے ہمارا ذکر کرتا ہے۔ جب کوئی جماعت

(باقی صـ۱۳ پر)

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم العالیہ

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللہِ لَاَبَرَّہٗ۔ (مسلم)

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز! سرکار دو عالم نبی رحمت محمد عربی صلوٰت اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کا ایک ارشاد گرامی عرض کیا گیا جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"کئی پراگندہ بالوں والے غبار آلود بدن والے دروازوں سے (غربت اور حقارت کے باعث) دھکیلے ہوئے اگر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دے"۔

محترم حضرات! اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم علیہ السلام نے ان پراگندہ حال لوگوں کی فضیلت ذکر کی جنہیں عام طور پر معاشرہ میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے...... معاشرے کی بدنصیبی یہ ہے کہ اس نے ایمان و یقین، ذوقِ عبادت، تعلق مع اللہ اور اخلاق کریمانہ کے بجائے ان چیزوں کو وجہ افتخار سمجھ لیا ہے جن کی عنداللہ کوئی حقیقت نہیں — مطالعہ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ہر دور میں اسی قسم کے لوگوں نے قبول کیا جب کہ اس کے برعکس وہ لوگ جو دنیوی طور پر خوشحال اور عیش پرور تھے انہوں نے اس دعوت کی مسلسل مخالفت کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے "نام نہاد شرفاء" نے حضرت نوح علیہ السلام کو حقارت آمیز لہجہ میں کہا :۔

انومن لک واتبعک الارذلون (الشعراء) کہ رذیل اور گھٹیا لوگ تیرے نام لیوا ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہم کیسے ایمان لائیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے "شرفا" اور "ضعفا" کی باہمی گفتگو قرآن عزیز میں "الاعراف" میں موجود ہے کہ "شرفاء" نے طعن آمیز طریق سے "ضعفا" کو کہا کہ تم اسے نبی مانتے ہو لیکن ہم اسے نبی ماننے کے لئے تیار نہیں — انا بالذی اٰمنتم بہ کافرون — تم جسے نبی مانتے ہو اور جس پر ایمان رکھتے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔

الغرض اسی طرح ہر نبی کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا گیا تا آنکہ حضور نبی کریم محمد عربی علیہ السلام سے کم از کم جو تقاضا کیا گیا وہ یہ تھا کہ جو ضعفاء و مساکین آپؐ کے چاروں طرف رہتے ہیں ان کی اور ہماری ملاقات کے اوقات الگ الگ کر دیں۔ مکہ کے رؤساء اور سرداروں نے یہ بات کہی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام اور سورۃ الکھف میں اپنے محبوب کو فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا۔ اگر انہیں خدا کی بات سننی ہے تو بغیر کسی ترجیحی سلوک کے سنیں یہ قیصر و کسریٰ کا دربار نہیں بلکہ یہ نبوت کا کاشانہ ہے، نبی اللہ کا بندہ و نمائندہ ہے۔ اس کے یہاں معیار فضیلت تقویٰ و خدا خوفی ہے اور بس — کوئی متمول ہوگا تو اپنے گھر، صاحب جائیداد ہو تو ہو لیکن جن مخلصین نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر دعوتِ حق کو قبول کیا اور پھر اس راہ میں ہر ستم برداشت کیا انہیں مجلس نبوی سے اس لئے اٹھا دیا جائے کہ سرداران و رؤسا بات چیت کے متمنی ہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ضعیفوں، کمزوروں اور مسکینوں کا رب اس کی کبھی اجازت نہ دے گا۔ ساتھ ہی سورہ بنی اسرائیل میں میں فرمایا :۔

"کہ یہ لوگ جو آج بڑے اتراتے پھرتے ہیں دنیا میں رونما ہونے والی ہر خرابی اور تہذیبوں کا مٹنا اور بستیوں کا الٹنا انہی کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ انہیں دولت و ثروت سے اس لئے تو نوازا نہیں جاتا کہ یہ اس کو فسق و فجور کی گرم بازاری کا ذریعہ بنائیں یہ دولت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے کام آنی چاہیئے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو پھر فدمرنھا تدمیرا — ہم اس قماش کے لوگوں کو غارت و تباہ کر دیتے ہیں"۔ (بنی اسرائیل)

احادیث نبویؐ

حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد آپ نے سنا جس کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ دنیا میں ایسے پراگندہ حال اور دکھی لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف مہر و محبت کی نظر دیکھنا کوئی گوارا نہیں کرتا لیکن ان کا آئینۂ قلب اتنا مجلّٰی و مزکّٰی ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھا لیں کہ ہمارا خدا یوں کر دے گا تو ان کا خدا ان کی لاج رکھتا ہے اور انہیں رسوا نہیں ہونے دیتا۔

حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امام بخاری امام مسلم قدس سرھما نے نقل کی فرماتے ہیں کہ حضور نبی محترم علیہ السلام نے فرمایا :۔

"میں بہشت کے دروازے پر کھڑا ہوا زیادہ تر لوگ جو اس میں داخل ہوتے وہ مساکین تھے اور دولت مندوں کو بالفعل روک دیا گیا تھا البتہ دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کرنے کا حکم عام ہو چکا تھا اور میں دوزخ کے دروازے پر کھڑا ہوا تو زیادہ تر اس میں عورتیں جاتی دیکھیں"۔

حضرت اقدس لاہوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ فقیر صابر اچھا ہے یا غنی شاکر۔ بعض غنی شاکر کو اچھا کہتے ہیں کہ وہ بعض ایسی عبادتیں بجا لاتا ہے جو فقیر کے بس میں نہیں ہوتیں۔ لیکن اس باب کی احادیث فقیر صابر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں جبکہ بقول حضرت لاہوری حضرت الشیخ جیلانی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ غنی شاکر اور فقیر صابر دونوں میں سے اچھا کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا "شاکر فقیر"

دونوں سے بہتر ہے کہ فقیر صبر نہیں کرے گا تو کیا کرے گا مزہ تب ہے کہ وہ اللہ کی مشیت پر راضی ہو کر شکر کا انداز اختیار کرے ــــ رہ گیا عورتوں کا مسئلہ تو بقول حضرت لاہوریؒ :۔

"بعض روایات میں عورتوں کے دوزخ میں زیادہ تر جانے کے دو سبب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہ لعنت کا لفظ بہت استعمال کرتی ہیں حالانکہ جس چیز پر لعنت کی جائے اگر وہ مستحق لعنت نہ ہو تو لعنت پلٹ کر کہنے والے پر آپڑتی ہے ــــ دوسرا سبب یہ کہ یہ خاوندوں کی نافرمانی بہت کرتی ہیں۔"

(خلاصۃ المشکوٰۃ صـ۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اسی طرح کی روایت بخاری و مسلم میں ہے جس میں ہے کہ میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر مسکینوں کو پایا اور دوزخ کو جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر عورتیں پائیں ــــ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا کہ مہاجرین فقراء، اغنیاء سے قیامت کے دن چالیس سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے (مسلم) جبکہ ایک دوسری روایت میں یہ فاصلہ پانصد سال بتلایا گیا ہے ــــ

حضرت لاہوری قدس سرہ کے بقول ان روایتوں میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ فقراء مہاجرین، مہاجر اغنیاء کے مقابلہ میں ۴۰ سال پہلے۔ اور عام فقراء عام اغنیاء سے ۵ سو سال پہلے جنت میں میں جائیں گے۔ (خلاصہ صـ۶)

ایک روایت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جس میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ السلام کو چٹائی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ چٹائی پر کوئی بچھونا نہ تھا اور اس کے نشانات سرکار دو عالم علیہ السلام کے جسم اطہر پر نظر آرہے تھے۔ اور چمڑے کا ایک تکیہ آپ کے سرہانے تھا۔ جس میں کھجور کا چھال بھرا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے امت پر رزق کی کشادگی کی درخواست کی اور عرض کیا کہ اہل روم و فارس جیسے خدا ناآشنا لوگوں پر رزق کشادہ ہے وہ خدا کی بندگی بھی نہیں کرتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطابؓ! تم اسی معاملہ میں پڑے ہوئے ہو یہ لوگ یعنی اہل روم و فارس ایسے ہیں کہ دنیوی نیکیوں کا بدلہ جلد ہی انہیں دنیا میں دے دیا گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ :۔

اما ترضیٰ ان تکون لھم الدنیا ولنا الآخرۃ۔

کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔

(بخاری و مسلم)

جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی محترم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جسے اس پر مال اور ظاہری حسن میں فضیلت دی گئی ہو تو اسے چاہئے کہ ایسے شخص کی طرف نظر کرے جو ان چیزوں میں اس سے بھی کم ہو۔ (بخاری و مسلم)

سبحان اللہ! جناب رسالت مآب کی حکمت بالغہ نے کیسی بات کہی کہ دنیا کے معاملہ میں اوپر والے کو نہیں نیچے والے کو دیکھے تو دنیا کے چکر میں پڑنے سے بچ جاؤ گے۔

میرے بزرگو! ان ارشادات میں سبق یہ ہے کہ اگر مال دنیوی

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

دیوبند کا تاریخ ساز دینی، علمی اور ادبی ادارہ

اس کی تعلیمات نے نامور افراد پیدا کئے

جن نے کردار و افکار کی تشکیل میں اہم خدمات انجام دیں

پروفیسر نسیم عثمانی

دارالعلوم دیوبند کا قیام حضرۃ شاہ ولی اللہ کی انقلابی فکر کے سلسلے میں ایک اقدام تھا جو حالات ومصالح کے پیش نظر اٹھایا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء تک اس تحریک کے قائدین کا خیال تھا کہ وہ طاقت اور قوت کے زور سے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد انھوں نے سمجھ لیا کہ کسی انقلابی تحریک کے لیے حالات سازگار نہیں اور وقت کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت فکر کے تحفظ، تدوین و اشاعت، جماعت کی تیاری اور پھر علمی میدان میں معروف سعی و جدوجہد ہونے کے مراحل تھے۔ پہلے مرحلے کا آغاز دارالعلوم دیوبند کے قیام سے شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے کے رہنما وہی حضرات تھے جو گزشتہ دور میں آخری مرحلے کے قافلہ سالار تھے۔ یہ اصحاب عزیمت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کرام (رحمہم اللہ اجمعین) تھے۔ ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو ضلع سہارنپور کے ایک قصبے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ عام طور پہ دنیا نے اسے علوم اسلامی کی ایک درس گاہ کی حیثیت ہی سے دیکھا اور بلاشبہ علوم اسلامی کی تعلیم و تدریس ہی اس کا سب سے بڑا امتیاز تسلیم کیا گیا مولانا سید محمد میاں "علماء ہند کا شاندار ماضی" نامی کتاب میں لکھتے ہیں :

"تڑپ اور اسلام کے عشق اور ملت کی غم خواری کی آزمائش میں پورے اترے، لیکن ان کا یہ خاک و خون میں تڑپنا ملت کی قسمت کو نہ بدل سکا"۔

ہندوستان میں گیارہ سو برس مسلمانوں کی شاندار حکومت قائم رہی مگر کیا کوئی درس گاہ ملتی ہے جس میں اہتمام کے ساتھ حدیث وتفسیر کی تعلیم ہوتی ہو۔ بیشک مدارس لاکھوں تھے۔ چپہ چپہ پر اسکول تھے مگر افسوس ہندوستان کے طول وعرض میں دارالحدیث یا دارالتفسیر ایک بھی نہ تھا۔ ہاں بے شک مصر و بغداد میں بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ جامعہ ازہر آج بھی اپنی جامعیت میں شہرۂ آفاق ہے، لیکن ان تمام کا قیام و بقاء حکومت کے خزانوں پر تھا۔ سوال تو یہ ہے کہ بیکس ومفلس قوم کا مدرسہ جو اپنی خدمات میں جامعہ ازہر، جامعہ نظامیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں سے بازی لے جاتے کیا اسلامی تاریخ میں اس سے پہلے کہیں وجود میں آیا تھا۔ بلاشبہ یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے جو سرزمین ہند میں ظاہر ہوا۔ اور جس نے اسلامی عالم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد حدیث و قرآن کی درس و تدریس اور علوم اسلامی کے تحفظ و بقا کے انتظام سے کچھ آگے بھی

تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رح نے اس کے لیے جو آٹھ اصول قائم کر دیئے تھے اور ان اصولوں میں جن نکات کو بیان کر کے ان پر زبان و بیان کے لطیف اسلوب کا پردہ ڈال دیا تھا مولانا محمد میاں رح نے اس پردے کو ہٹا دیا ہے اور دارالعلوم اور اس جیسے دیگر مدارس کے مندرجہ ذیل مقاصد کیطرف توجہ دلائی ہے۔

(۱) آزاد ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان ہو۔ کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہو سکے۔

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہو، تاکہ خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا ہو جائے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لیے ورنہ کم از کم اس وقت تک کے لیے محفوظ ہو جائے۔ جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف احتیاج خود کارکنان مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ رویّہ یا ریاست کا ٹھاٹھ ان میں قطعاً پیدا نہ ہو۔ بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے۔

اور اس طرح آپس میں خود ایکدوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(ج) کارکنان، خدام اور مصنفین کی جماعت جملہ اخراجات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللہی مسلک پر شدّت سے عمل پیرا رہے جس کے متعلق تمام عالم اسلامی کا اتفاق ہے کہ وہ سُنّت قدیمہ ہے۔ مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے۔ افراط و تفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔

(د) خود رائی اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیّت سے بربادی مسلم کا خاص ذمّہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی و جمہوری حیثیّت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

ان اصولوں اور مقاصد کو ذہن میں رکھ کر مولانا رشید احمد گنگوہی رح اور مولانا قاسم نانوتوی رح کی تعلیم و تربیت سے آراستہ شخصیّت یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح کے سیاسی و دینی افکار سیرت اور خدمات پر نظر ڈالیے اور ان کی قائم کردہ جمعیتوں ثمرۃ الترتیب (۱۸۷۹ء)، جمعیت الانصار (۱۹۱۰ء) اور پھر نظارۃ المعارف (۱۹۱۳ء) کے اغراض و مقاصد اور انکے کارناموں پر نظر ڈالیے تو فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند علوم اسلام کی ایک قدیم طرز کی درسگاہ نہیں، بلکہ احیائے اسلام و قیام ملّت کی ایک عظیم الشان تحریک کا نام ہے۔ دارالعلوم دیوبند انقلاب کا مرکز اور سیاسی تربیّت گاہ تھی۔ اس نے اسلام کے جانثاروں اور مِلّت کے غم گساروں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو ملّت کے غم میں خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلایا جو اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے وقار کی بحالی کے لیے خود بھی تڑپے اور دوسروں کو بھی تڑپایا۔ انہوں نے آبرو مندانہ زندگی کے حصول کے لیے خود بھی اپنی جانیں قربان کیں اور دوسروں کو بھی جانثاری اور ایثار پیشگی کا سبق دیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے ذہنی جمود کو توڑا۔ برٹش استعمار کے محور کو توڑا۔ انھوں نے وقت کی استبدادی قوتوں سے پنجہ آزمائی کی اور ملک کے ذہنوں سے خوف و ہراس کو دور کیا۔ اتنا ہی نہیں انھوں نے علیگڑھ کے سیاسی ویرانے میں آزادی کی شمع روشن کی۔ نصب العین کو پستی سے نکالا۔ مقصد کی سلمیت کا احساس پیدا کیا اور اس محفل میں جہاں زبان بندی کا دستور نافذ تھا۔ جہاں بات کرنے پر زبان کٹتی تھی اور ذہنوں پر پہرے بٹھائے جاتے تھے۔ وہاں انقلاب کا صور پھونکا اور نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت کو کاسہ لیسانہ زندگی کی غلاظت سے نکال کر ملک کی آزادی کی جدوجہد میں رہنمائی کے منصب پر فائز کیا۔ یہ ایک

تاریخی حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے شروع میں علی گڑھ میں جو سیاسی بیداری پیدا ہوئی وہ دیوبند یا ملک کی دوسری سیاسی و انقلابی تحریکات کی رہین منت تھی اور جو انقلابی اور حریّت پسند اُٹھے وہ دیوبند کے چشمۂ فکر کا فیضان تھا۔

دیوبند کے اکابر نے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں بیش از بیش حصّہ لیا۔ اس راستے کی تمام صعوبتوں کو برداشت کیا اور ہر آزمائش میں پورے اُترے۔ دارالعلوم کے قیام کے بعد سیاست میں حصّہ لینے کا دور حضرت شیخ الہند رح سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی رح، مولانا محمد میاں رح، مولانا منصور انصاری مولانا فضل ربی (رکن ہیئت تمیزیہ افغانستان) مولانا سیف الرحمٰن اور دوسرے بہت سے اکابر شامل تھے۔ آج بھی ہندوستان سے پاکستان تک دارالعلوم دیوبند کے فضلا سیاسی میدان میں بھی ملک و مِلّت کی راہنمائی کر رہے ہیں۔ دیوبند کے ایک نامور عالم اور صُوفی مولانا اشرف علی تھانوی رح نے بعض مسائل میں جو روش اختیار کی اس سے تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں نے فائدہ اٹھایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی تو تحریک کے رہنماؤں میں شامل تھے اور انھوں نے اپنی بہترین عالمانہ صلاحیتوں سے مسلم لیگ کو اسلامی ریاست کے نصب العین پر مستحکم کرنے اور استوار رکھنے کی کوشش کی۔ پھر قیامِ پاکستان کے بعد دیوبند کے ہندوستانی رہنماؤں نے نہایت خراب حالات میں مسلمانوں کی رہنمائی کی اور ان کے حوصلوں کو بلند رکھا اور پاکستان میں اس سلسلے کے بزرگوں نے ملک و ملّت کی تعمیر و خدمت کا ایک نئے عزم کے ساتھ بیڑا اٹھایا اور پاکستان کی زندگی کے ہر گوشے میں اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے مِلّت کی راہنمائی کی۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور اسکے فرزند علمی و ادبی خدمت کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے اس کے بانیوں میں حاجی امداد اللہ رح اور مولانا محمد قاسم رح صاحب اردو کے بہترین ادیب اور صاحبِ تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہند دیوبند کے نامور سپوت اور اس کے رہنماؤں میں تھے۔ بہت بڑے صاحب بزرگ تھے۔ ان کا ترجمہ قرآن حکیم اُردو ادب کا شاہکار ہے۔ ان کے علاوہ علامہ انور شاہ کاشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ محمد بدر عالم میرٹھی، مولانا سید محمد میاں، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تحریریں عالمانہ اور محققانہ ہی نہیں زبان و بیان اور اُسلوب کے لحاظ سے بھی وقت کی معیاری ادبی تحریریں ہوتی تھیں تاجور نجیب آبادی، منظر الدین بجنوری حامد الانصاری غازی، شائق احمد عثمانی، تو ادب و شعر کی دنیا میں معروف ہی ادبی حیثیّت سے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح، مولانا حسین احمد مدنی رح اور بہت سے اکابر دیوبند اگرچہ ادبی حیثیت سے مشہور نہیں ہو سکے، لیکن وہ اپنی تصانیف کی کثرت یا تصانیف کی علمی، سیاسی، تاریخی حیثیت کی بنا پر علمی و ادبی دنیا کی ایک معروف شخصیّت ہیں۔ ان کی خدمات سے ہر شخص واقف ہے۔ اگر ندوۃ العلماء لکھنؤ کو اس امر کا حق پہنچتا ہے کہ وہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مرکز علمی میں ہونے والے کام کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھے تو دارالعلوم دیوبند کو اس کا حق ہے کہ اس کے عظیم فرزندوں نے ندوۃ المصنفین دہلی میں بیٹھ کر علم و ادب اور تصنیف و تحقیق کے جو ہفت خواں طے کیے ہیں ان پر فخر کرے۔ یا ان کے فرزندوں نے علم و ادب کے جس میدان میں بھی اور کسی علمی ادارے کے گوشۂ خلوت یا کسی مجلہ و اخبار میں کوئی علمی و صحافتی اور ادبی خدمت انجام دی ہے وہ اسے ایک اہم تاریخی خدمت سمجھتا ہے۔ یہاں ایک بلند پایہ دینی مجلہ نکل رہا ہے۔ اس رسالے میں بلند پایہ علمی، تحقیقی، دینی، اصلاحی اور اسلامی ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں اور اسلامی علوم و فنون کی مختلف

شاخوں کے بارے میں بیش بہا ذخیرہ اس کے دامن میں جمع ہو گیا ہے۔ وقت کے سیاسی، سماجی اور جدید مسائل میں ان رسائل نے مسلمانوں کی اسلامی رہنمائی کی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مصنفین نے دورِ جدید کے فتنوں کے اثرات سے مسلمانوں کے ذہن و دماغ کو بچانے اور اسلام کے دفاع کی بہترین خدمات انجام دی ہیں۔

دیوبند نے ان تمام کو اپنے قیام سے سو سال کی مدّت میں تقریباً ۱۷ ہزار مشائخ طریقت، مدرس، خطیب، مبلغ، مفتی، مناظر اور مصنّف، صحافی طبیب اور ماہرین صنعت و حرفت پیدا کیے ہیں۔ ان میں سے اعلیٰ درجے کے اصحاب علمی فن کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد بھی ڈھائی ہزار کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۶۵ء تک کے ایک جائزے کے مطابق تفصیل حسب ذیل ہے۔ عامل مدارس (۴۴۸)، مصنف (۲۷۶) مفتی (۱۶۴) مناظر (۱۱۲) صحافی (۱۰۸) خطیب و مبلغ (۲۸۸) طبیب (۱۶۴) صنائع و اہل حرفہ (۴۸۷)، اس جائزے سے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، صحافت و طباعت وغیرہ کے میدانوں میں فرزندان دیوبند کی خدمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

درس و تدریس کے میدان میں دیوبند کی عظیم الشان خدمات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ سو سال کی مدّت میں ابنائے دیوبند نے تقریباً ۹ ہزار مدرسے ہندوستان پاکستان میں اور بیرونِ ملک قائم کیے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا دینی فیضان ہندوستان پاکستان سے گزر کر افغانستان، روس، چین، برما، ملائشیا، انڈونیشیا، عراق، کویت، ایران، سیلون، جنوبی افریقہ، سعودی عرب، سیام، یمن وغیرہ تک جا پہنچا۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں دارالعلوم دیوبند کے تقریباً ستر ہزار فارغ التحصیل علماً موجود ہیں۔ جو اسلام اور مسلمانوں کی مختلف اطراف سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک قدیم طرز کی اسلامی درس گاہ ہے۔ اس میں اسلامی علوم و فنون کی ایک مخصوص انداز سے تعلیم دی جاتی ہے۔ ہمیں اس کی تعلیم اور اس کے نتائج کو کسی جدید علمی درسگاہ کے معیار پر نہیں جانچنا چاہیئے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کی اس خصوصیت کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس کے فارغ التحصیل ذہن و فکر اور اخلاق و سیرت کے ان پیمانوں سے بہت بلند ہیں جن کا تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ ان میں دوسرے دینی مدارس اور مکاتب و فکر کے نسبت وسعت قلبی، بلند نظری، اعلیٰ ظرفی اور اخلاق و عمل کی زیادہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ دوسرے مکاتب فکر کے علمار کے مقابلے میں وہ ہمیشہ اور ہر دَور میں زیادہ بیدار مغز ثابت ہوئے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوبند کے نصابِ تعلیم میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور حالات و وقت کے مطابق دیوبند کے اکابر نے اپنے طلبار کو جدید علوم و فنون کے مطالعہ و غور و فکر کی زیادہ آزادی دی اور ان کی رہنمائی کی اور غیر نصابی مضامین کی حیثیت سے جدید علم ہیئت، فلسفہ، سائنس، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات، سماجیات وغیرہ مضامین کے مطالعہ کی دعوت دی۔ یہ مرحلہ اس وجہ سے اور زیادہ آسان ہو گیا کہ اس کے بعض نامور فضلار نے مختلف موضوعات پر نہایت احتیاط کے ساتھ قلم اٹھایا۔ ایسی تصانیف پیش کیں جو اگر ایک طرف اسلامی فکر کی حامل تھیں تو دوسری طرف علمی و فنی اعتبار سے بلند پایہ تھیں۔ ابنائے دارالعلوم کے عالی ظرفی کی ایک وجہ یہ کہ دارالعلوم نے اپنے طلبار کو محض مُلائے مکتبی یا دو رکعت کے امام بننے کی تعلیم نہیں دی۔ تعلیم میں انھوں نے مقصد کی پستی کو کبھی گوارا نہیں کیا۔ ساتھ ہی مختلف صنعتوں کی تعلیم و تربیّت کے اہتمام و انتظام سے طلبار کے بہت سے مادی و معاشی مسائل حل ہو گئے۔ جن کا بروقت حل نہ ہونا انسان کو اخلاق و کردار کی پستی میں دھکیل دیتا ہے۔ شیخ محمد اکرام دارالعلوم کی مذہبی و علمی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں :

گذشتہ پچاس سال کے حالات دیکھتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ دیوبند نے قوم کی بڑی مذہبی اور علمی خدمت کی ہے۔ دیوبند کا نصاب ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ناکافی سہی اور علمائے دیوبند کو حالاتِ زمانہ اور مغربی مستشرقین یا دور حاضر کے مصری علمار کی تصانیف سے اتنی واقفیت نہ سہی، لیکن پھر بھی ان کا معیار بہت بلند ہے۔ وہاں سے ہزاروں علمار اور طلبار فارغ التحصیل ہو کر نکلے ہیں۔ جنہوں نے ملک کے کونے کونے میں اسلامی علوم کے چراغ روشن کیے۔ مذہب کی اشاعت کی۔ بدعتوں اور معز اخلاق خرابیوں کی اصلاح کی۔ یہ درست ہے کہ وہ جدید ضروریات کے لحاظ سے کئی باتوں میں بہت باخبر نہیں لیکن آخر ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور روحانیات دوسروں سے زیادہ ہیں۔ اور اسی کا فیض ملک کے دُور حصّوں میں پہنچانا ملک اور قوم کی قابلِ قدر خدمت ہے۔

بقیہ : خطبہ جمعہ

سے نوازا گیا ہے بشرطیکہ مال حلال کا ہے تو اسے اللہ کا فضل سمجھ کر صحیح مصارف پر خرچ کی فکر و سبیل کرنی چاہئے۔ اور جس کا دنیوی معاملہ کمزور ہے اسے صبر و قناعت بلکہ بقول شیخ جیلانی "شکر" سے کام لینا چاہیئے۔ فقراء امراء کو دیکھ کر حسد نہ کریں اور امراء فقراء پر طعن و تشنیع نہ کریں ——— اس میں سکون ہے، عافیت ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں صحیح بات کا فہم نصیب کرے۔

و اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

بقیہ : مجلس ذکر

اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے تو فرشتوں کا ایک گروہ جو ایسے ذاکروں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اس جماعت کے ذکر کا پیغام دیتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان تمام ذاکروں کو بخش دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بھی بخش دئے جاتے ہیں۔

جس طرح عطر والے سے دوستی کی وجہ سے آپ عطر کی خوشبو سے ضرور فیضیاب ہونگے اور کوئلوں کی دلالی میں منہ کالا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں آپ کو ذکر کی نعمت ضرور حاصل ہو گی۔

سب سے بڑا ذکر اللہ کا کلام ہے۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں آپ نے کثرت سے اس کا ذکر کیا۔ اسی طرح باقی گیارہ ماہ بھی اللہ کی یاد اور استغفار میں گزار دیں۔ اگر کسی وقت اللہ سے رابطہ ٹوٹ جائے یا کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً قرآن کو اپنائیں، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں شامل حال ہوں گی۔

آج ہمارا اللہ تعالےٰ سے معاملہ بگڑا ہُوا ہے۔ کیونکہ ہم نے قرآن کو چھوڑا ہے دین کو چھوڑا ہے، ذکر اللہ کو چھوڑا ہے۔ نتیجۃً دنیا میں ہم پریشان ہو رہے ہیں۔

دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہم کو اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین !

حالات کا نیا رُخ
اور
علماءِ دین کی ذمہ داری

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا ج فمنھم ظالم لنفسہ ج ومنھم مقتصد ج ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ط ذالک ھو الفضل الکبیر ط (سورۃ فاطر ۳۲)

ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑا فضل ہے۔

عزیزو اور بھائیو! دین ہو، آسمانی تعلیمات ہوں، صحیح دعوت یا اعلیٰ سے اعلیٰ اصول ہوں ان میں سے کوئی چیز خلا میں نہیں رہ سکتی۔ اگر اس تعلیم و دعوت کے ساتھ انسانی زندگیاں، ان کے حاملین اور زندہ اور عملی پیکر نہ ہوں تو ان کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔ ادیان سماوی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے اور اخلاقی تعلیمات کی تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور سنتِ الٰہی اور فطرت انسانی اس کی دعوت دیتی تو پھر اتنا کافی تھا کہ آسمان سے صحیفے آجاتے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیئے جاتے اور اعلان کر دیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے صحیفے اور آسمانی کتابیں آ گئی ہیں۔ وہ فلاں جگہ محفوظ ہیں جس کا دل چاہے جائے لے آئے اور عمل کرے لیکن پہلے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی بعثت ہوتی ہے ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور اس کا پہلا نمونہ وہ خود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، حیات طیبہ اور اخلاق و شمائل کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: کان خلقہ القراٰن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھنا ہو تو قرآن مجید پڑھ لو اور دیکھ لو) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ اور مزید انعام یہ تھا کہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں) آپ کی بعثت "بعثتِ مقرونہ" (دوہری بعثت) تھی۔ یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور آپ کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلانے اور ان کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک پوری اُمت کی بعثت عمل میں آئی تھی۔ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ تنہا اُمتِ مسلمہ کے لئے بعثت یا اس کے ہم معنیٰ اور مرادف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا:

وکذالک جعلنکم امۃ وّسطا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزمانؐ) تم پر گواہ ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

ترجمہ: مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر یقین رکھتے ہو۔

اس سے زیادہ صاف الفاظ حدیث میں آئے ہیں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔

تم آسانی پیدا کرنے کے لئے پیدا اور مقرر کئے گئے ہو، مشکلات پیدا کرنے کے لئے نہیں۔

صحابہ کرامؓ نے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ رستم سپہ سالار افواج ایران نے حضرت ربعی ابن عامر سے جو مسلمانوں کے نمائندہ سفیر بن کر آئے تھے پوچھا کہ تم

کیسے آئے ماالذی جاء بکم؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے زبانِ نبوت ہی کے الفاظ استعمال کئے۔ انہوں نے کہا:

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ وحدہ۔

"اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ حکم الٰہی سے اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں"۔

اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ کوئی دین خلا میں نہیں رہ سکتا۔ دین سے پہلے نبی کی شرط ہے پھر نبی کے ساتھ امت کی شرط ہے اس کے اصحاب و تربیت یافتہ نفوس کی شرط ہے جس کا بہترین نمونہ آپ کو سیرت نبوی میں ملتا ہے اس کے بعد یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہنا چاہیئے۔

میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریث یعنی نائبین انبیاء اور حاملین کتاب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی طرح وارثین انبیاء اس امانت کے حاملوں اور دین کے نمائندوں کی بڑی ذمہ داری ہے اس دین کے بارے میں بھی اپنے ماحول و معاشرے اور اپنے ملک کے بارے میں بھی اور پوری انسانیت کے بارے میں بھی جس کی قسمت دین صحیح اور آسمانی تعلیمات سے وابستہ ہے اسی حقیقت کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاھلین۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸ فصل ثانی روایت از بیہقی)

ترجمہ: اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و متقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف اہلِ باطل کے غلط انتساب و دعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دُور کرتے رہیں گے۔

وارثین کتاب نائبین انبیاء اور عام فہم الفاظ میں "علماءِ دین" کی اتنی بڑی ذمہ داری اور اتنا نازک مسئلہ ہے کہ اگر اس کا صحیح طور پر ادراک ہو تو جن لوگوں کو اللہ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے اور ان کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، راتوں کی نیند اڑ جائے اور کھانے پینے کی لذت ختم ہو جائے اور ان کا سکون ہمیشہ کے لئے جاتا رہا۔ در اصل حاملین و شارحین دین ہی کی سیرت و اخلاق پر عوام کی دین سے وابستگی، اس سے عقیدت، اس پر اعتماد اور صحیح عقائد و مسلک کے بقاء کا انحصار ہے۔ ان کی ذرا سی غلطی کیا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ ان کی اخلاقی کمزوری، کردار کی پستی، دنیا طلبی، دولت پرستی، قوت و اقتدار کی تقدیس، خواہشات نفس اور ذاتی مفادات کے سامنے سپر اندازی، تفرقہ اندازی اور انتشار پسندی پورے معاشرے پر کیا اثر ڈالتی ہے اور اس عہد و ملک کی پوری نسل کو کس طرح متزلزل و متاثر کر دیتی ہے اگر اس کا صحیح ادراک ہو تو ہمارے مساجد کے بام و در ہی نہیں مساجد کے محراب و منبر بھی کانپنے لگیں۔ مشہور حدیث صحیح سے بڑھ کر کوئی اس حقیقت کی عکاسی و مصوری نہیں کر سکتا۔ فرمایا گیا:

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

ترجمہ: یاد رکھو! جسم انسان میں ایک مضغۂ گوشت ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو پورے جسم کا نظام درست رہیگا اور اگر بگڑ جائے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جائے گا خبردار رہیو وہ مضغۂ گوشت دل ہے۔

علماء و خواص کی حیثیت ملت و معاشرے میں بالکل وہی ہے جو قلب کی جسم انسانی میں ہے اور ان کے فساد و اختلال اور ان کے صلاح و اعتدال کا وہی اثر پوری ملت و معاشرے پر پڑتا ہے جو قلب کے صلاح و فساد کا پورے جسم انسانی پر پڑتا ہے۔

عزیزو اور رفیقو! یہ ذمہ داری کسی ایک جماعت یا کسی مخصوص ادارے کی نہیں یہ پوری صاحبِ علم جماعت کی ذمہ داری ہے۔ وارثین کتاب کے اخلاق پر جب انحطاط آئے گا جب ان کے اندر دنیا پرستی آجائے گی۔ جب ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمزور پڑ جائے گا جب وہ ان حدود سے بھی تجاوز کرنے لگیں گے جن حدود سے عوام کو بھی آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ تو پھر پورے معاشرے اور پورے ماحول میں فساد ہی نہیں بلکہ

غرادی ملکیت
اور ایسا نظام
اجباری
ی اور معیشی
یدا کر دی جائے
قومی ملکیت ہو
نہ رہے اور
اختلاف سے
بنائے حق
درت اختیار کی
سوشلزم جس
ہے۔ وہ دوسری
ہے کہ انسانی
کی جائے۔
ہی تجویز
نکار رد کا جائے،
ایک نہیں
ہے تعرض
قائم رکھ کر راہ

تعفن اور سڑاہند پیدا ہو جائے گی۔ دین کا مستقبل وابستہ ہے اہل دین و اہل علم سے اور کسی ملک سے اور اس ملک کی آبادی کا اخلاقی، انسانی اور دینی مستقبل وابستہ ہے۔ دین کے شارحین اور دین کے نمائندوں سے اب دین کے نمائندوں میں کوئی کمزوری پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت عوام کے دین کے ساتھ تعلق کو کمزور ہونے سے بچا نہیں سکتی نہ کوئی حکمت نہ کوئی ذہانت نہ کوئی خطابت نہ کوئی سیاست۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسلامی حکومت بھی یہ بات طے کرلے کہ معاشرے اور اس ماحول میں فساد پیدا نہ ہونے پائے اور اس کا رشتہ دین سے کمزور نہ ہونے پائے تو وہ بھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ بات بالکل ایسی ہے کہ جہاز کی رفتار کو کنٹرول کرنے والی اور اس کا رُخ متعین کرنے والی ایک چھوٹی سی مشین یا ایک معمولی سا پرزہ ہوتا ہے اگر بال برابر بھی اس کی سوئی اپنی جگہ سے کھسک جائے تو جہاز سینکڑوں میل کے حساب سے اپنی منزل مقصود سے دُور ہو جاتا ہے۔ علماء کی جماعت درحقیقت ملت انسانیت کے لئے "قطب نما" ہے جس سے قبلہ کی سمت متعین ہوتی ہے اس لئے اس کا صحیح اور سچا رہنا اور اپنا کام کرتے رہنا ضروری ہے۔ اگر علماء کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہے اگر ان کے اندر اخلاص و اخلاق پایا جاتا ہو وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں مستعد اور سرگرم ہیں اور ان اعلیٰ صفات سے متصف ہیں جو کسی درجہ میں نائبین انبیاء اور وارثین کتاب میں پائی جانی چاہئیں تو کم سے کم اس ملک میں دین کا مستقبل محفوظ ہے لیکن اگر یہ نہیں ہے تو پھر دنیا کی کوئی تدبیر اس ملک میں دین کو بچا نہیں سکتی۔

اندلس (اسپین) پر بڑا تحقیقی کام ہوُا ہے۔ اسلام کے وہاں سے بالکل جلاوطن ہو جانے کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی (خدا کرے اب قیامت تک نہ ملے اور مسلمانوں کو پھر کوئی ایسا حادثہ پیش نہ آئے) یہ وہ بدقسمت ملک ہے جس کو اسلام کی دولت سے بالکل محروم کر دیا گیا۔ اس کے اسباب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بڑی بصیرت افروز کتابیں موجود ہیں۔ مجھے خود بھی خدا نے اس ملک کی زیارت وسیاحت کا موقع دیا لیکن ابھی تک اس نقطۂ نظر سے تحقیقی کام ہوُا ہے کہ وہاں کے حکمرانوں سے کیا غلطیاں ہوئیں، وہاں کونسی سیاسی بے تدبیری اور بے دانشی عمل میں آئی؟ مؤرخین و مصنفین نے اس کی زیادہ تر ذمہ داری حکمرانوں کے اختلاف اور شمالی اور جنوبی عربوں (عدنانیوں اور قحطانیوں یا یمنیوں اور حجازیوں) کی آویزش و رقابت پر ڈالی ہے لیکن ایک پہلو ایسا ہے جو ابھی تک تشنۂ تحقیق ہے اور اس پر کام نہیں ہوُا ہے وہ یہ کہ وہاں کے علماء سے کیا غلطیاں ہوئیں؟ انہوں نے کیا کمزوری دکھائی؟ ان کے اندر کیا اخلاقی انحطاط، دنیا طلبی اور انتشار و اختلاف کی بیماری پیدا ہو گئی تھی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوُا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت ہندوستان بھی ایک نازک مرحلہ پر آگیا ہے گویا کاتب تقدیر منتظر ہے کہ وہ کیا لکھے؟ اس وقت اگر یہاں بھی علماء نے اپنے کو نہ سنبھالا اور اخلاقی، روحانی، علمی و ذہنی چاروں راستوں سے اپنی بلندی، اپنا امتیاز اور اپنی افادیت و ضرورت ثابت نہ کی تو اندیشہ ہے کہ پورے دین اور پوری ملت پر زوال نہ آ جائے۔ بعض مرتبہ محدود اور بظاہر معمولی اخلاقی کمزوریاں اور اختلافات اتنے مہیب نتائج کا باعث بن جاتے ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہے۔ بعض اوقات وہ پوری سلطنت اور اس ملک میں پوری ملت کو زوال یا شدید آزمائش یا کشمکش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ہم جب تاریخ کے ذخیرے میں ٹوہ لگاتے اور کرید کرتے کرتے اسباب و نتائج کی زنجیر کے آخری سرے پر پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں قسم کی ایک نفسانیت ایک بے دانشی اجتماعی اور ملی مفاد پر انفرادی مصلحت اور ذاتی مفاد کی ترجیح اس کی اصل ذمہ دار تھی۔ اور اس سے پوری ملت زوال سے دوچار ہو گئی اور ان میں سے اکثر بہت سی چیزوں کا سراغ دین و علم کے اصل نمائندوں کی سیرت و کردار میں ملتا ہے۔

علماء کی اخلاقی بلندی اس کے بعد روحانی و باطنی اور اس کے بعد علمی و ذہنی استقامت و بلندی دین کی بقاء و تسلسل اور دین کے وقار و اعتماد کے باقی رہنے

کے لئے ضروری ہے۔ ایسے موقع پر ایک لمحہ، مہینہ اور سال کے برابر ہوتا ہے اور ایک سانس ایک عمر کے برابر۔ اس وقت اگر علماء اور علوم دینیہ کے حاملین نے اپنے آپ کو نہ سنبھالا۔ انہوں نے اپنی اخلاقی بلندی، اپنی بے غرضی، سچی خدا پرستی کا جس کے اندر نفاق نہ ہو ثبوت نہ دیا تو سخت خطرہ ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مباحات کے استعمال میں احتیاط برتتے ہیں کہ یہ ہماری وضع کے خلاف ہے لیکن بے تکلف ایک مسلمان کی پردہ دری کریں گے افساد ذات البین اور تفریق بین المسلمین میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ دو ذمہ داروں کو ایک دوسرے سے لڑا دیں۔ کسی ادارے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ جن چیزوں کی برائی منصوص ہے مثلاً غیبت، چغل خوری، اتہام، دروغ بافی وہ ہماری مجلسوں میں دن رات ہوگی۔ یہ کیا ہے؟ یہ ظاہر داری خدا کے ہاں نہیں چلتی۔ وہ عالم السرائر و عالم الغیب ہے۔ وہ ظاہر سے دھوکا نہیں کھاتا۔ خیانت حرام، کام چوری حرام، پیسہ لینا اور کام نہ کرنا حرام، مسلمانوں کی توہین اور عالم کی تذلیل حرام، بے تحقیق و بے ثبوت بات کہنا یا سن کر اس کو فوراً مان لینا اور اس کی اشاعت کرنا حرام۔ حدیث میں آتا ہے:

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع۔

انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو کچھ اس کے کان میں پڑے وہ اس کا چرچا کرنا شروع کر دے۔

قرآن مجید میں آگاہی دی گئی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔

مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔

یہ سب منصوصات قطعی ہیں لیکن ہمارے صحیفۂ اخلاق اور ہمارے اصول وضوابط میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہمیں انہی مراتب کے ساتھ اور اسی ترتیب و تناسب کے ساتھ جو خدا اور اس کے رسول نے قائم کی ہے شریعت کے احکام اور دین کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے۔ محرمات، مکروہات، مستحبات اور مباحات سب کا درجہ الگ الگ ہے۔ ہم ایک عرفی دین کے پابند ہو گئے ہیں اور جو چیز ہمارے عرفی دین میں ناپسندیدہ اور قابل نفرت نہیں ہے ہم بے تکلف ان چیزوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں جن سے بعض اوقات پوری ملت کو نقصان پہنچتا ہے جن سے اداروں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے جن سے ایک متحد اور ہم مسلک جماعت میں سخت انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے ان تمام مقاصد اور پورے مسلک کو نقصان پہنچتا ہے جن کی یہ جماعت حامل اور داعی اور ان کی ایک علامت بن گئی ہے۔ یہ عمارت جو آپ دیکھ رہے ہیں ایک تناسب پر قائم ہے۔ اگر یہ تناسب ختم کر دیا جائے تو یہ عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ دین کا ایوان بھی خاص تناسب پر قائم ہے وہ بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دوستو اور عزیزو! یاد رکھئے کہ ایسے نازک وقت پر اگر کوئی چیز فوری طور پر زوال سے بچا سکتی ہے تو وہ بلند و بالا شخصیتیں ہیں۔ دیکھئے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ اخلاقی طور پر مریض ہو گیا تھا اور اس کا اثر یہ پڑ رہا ہے کہ ہندوستان میں دین کا مستقبل نہ صرف خطرے میں پڑ گیا تھا بلکہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ہندوستان کا رُخ کم از کم ذہنی اور تہذیبی ارتداد کی طرف ہے۔ درباری علماء کا نمونہ کیا تھا؟ اس کو مُلّا مبارک، ابوالفضل و فیضی کی سیرت و کردار کے مرقع میں دیکھئے۔ زیادہ علماء کے نام نہیں لیتا کہ تاریخ کا سوفیصد اعتبار نہیں۔ لیکن اس زمانے کے صدر الصدور اور مخدوم الملک بھی اخلاقی انحطاط کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان کی جاہ پرستی، دولت اندوزی آپس میں حسد و رقابت اور عزت و اقتدار کے لئے کشمکش کی شہادتیں تاریخ سے ملتی ہیں۔ ابوالفضل و فیضی کے کردار کے متعلق جو انہوں نے دربار اکبری اور حکومت وقت میں ادا کیا تنہا مُلّا عبدالقادر بدایونی کی تحریروں پر اعتماد کر کے نہیں کہتا، اس کی توثیق خود ابوالفضل کی تحریروں سے ہوتی ہے۔ اس وقت اچانک ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے جس کا نام نامی شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانیؒ) ہے وہ آئے اور انہوں نے

کچھ آدمیوں کو تیار کیا جو اس اخلاقی اور انسانی سطح سے بلند تھے جس پر عام طور پر سرکاری درباری علماء نظر آتے تھے اور ایکدم فضا بدل گئی۔

ع جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اگر ہمارے ملک کے دینی حلقہ نے بھی جلد کچھ نمونے پیش نہ کئے اگر جلد پھر ہندوستان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ یا ان سے کسی درجہ میں نسبت رکھنے والی شخصیت پیدا نہ کی تو یاد رکھئے کہ یہاں ہندوستان میں علماء ہی کا وقار نہیں دین وعلم کا وقار اور پھر ایک قدم آگے بڑھ کر ملت اسلامی کا وقار بھی خطرے میں پڑ جائے گا اور ان دینی اداروں اور مدارس کی افادیت وضرورت بھی مشکوک ہو جائے گی۔ جو اسی طبقہ کے افراد پیدا کرنے اور اسی ضرورت کو پیدا کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ان حضرات اور ان کے اسلاف کے ضبط وتحمل اور انکی خودداری وخدا اعتمادی، ان کی تعاون علی البر والتقویٰ کی صلاحیت ان کی ملت کے اجتماعی کاموں میں اپنی بے نفسی کا مظاہرہ ان کی عالی ظرفی بلند نظری اور فراخدلی اور اپنے ہم مسلک ہی نہیں اپنے مخالفین تک کے کمالات اور محاسن کے اعتراف کی جرأت وتوفیق ان کا استغناء اہل دولت سے بے خوفی، بے نیازی اور کنارہ کشی ان کی اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مستعدی و سرگرمی ان کی زاہدانہ و متقشفانہ زندگی ان کا ملت کے لئے حقیقی درد وکرب۔ یہی وہ صفات ہیں جنہوں نے پہلے بھی ان جماعتوں اور اداروں میں زندگی کی روح پھونک دی تھی اور زندہ رہنے کا استحقاق پیدا کر دیا تھا اور یہی صفات آج بھی صرف ان اداروں ہی کو نہیں پوری ملت کو زوال سے بچا سکتی ہیں۔ مدارس کے فضلاء، اساتذہ اور طلبہ کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اخلاق وسیرت وکردار میں بھی ممتاز ہوں اخلاص وتعلق مع اللہ میں بھی کھلا ہوا امتیاز رکھتے ہوں اور ان کی علمی وفکری سطح بھی بلند ہو۔ اور مسائل حاضرہ کو بھی سمجھتے ہوں اور ان کے حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں، ان کا مطالعہ بھی وسیع ہو اور وہ عصر حاضر کی زبان اور اسلوب پر بھی قدرت رکھتے ہوں اور جدید ذہن کی ساخت ومشکلات کو بھی سمجھتے ہوں۔ اس مجموعی، اخلاقی، روحانی، علمی وفکری بلندی وامتیاز کے بغیر وہ اس عہد انقلاب اور اس دور فتن میں جس میں خود ہماری کمزوریوں اور جدید واقعات نے علماء دین کے وقار کو مزید مجروح اور دین اور علم پر اعتماد کو مزید متزلزل کر دیا ہے۔ نیابت انبیاء اور وارثین کتاب کی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے۔ ذمہ داری پچھلے عہد سے بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ کسی ایک ادارے یا مدرسہ کا مسئلہ نہیں اس ملک میں دین وعلم کے مستقبل اور ملت کے دین پر اعتماد اور شریعت وعلوم دین سے ارتباط کا مسئلہ ہے۔ خدا کرے ہم اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اس کو ادا کرنے کی مخلصانہ اور سرفروشانہ کوشش میں لگ جائیں۔

بقیہ: سائنسی ایجادات ...

مصر کے مشہور عیسائی مجلہ الہلال کی اشاعت ۲۲ نومبر میں ایک مقالہ میں اسی "توارد" کے متعلق شائع ہو ہے، استقراء وتتبع سے مقالہ نگار نے عہد حاضر کی ۱۴۳ ایجادوں کے متعلق ثابت کیا ہے کہ ایک ہی زمانے میں دو مختلف ملکوں کے باشندوں کو ان کا توارد ہوتا رہا ہے مثلاً امریکہ میں ایک بات کسی کی سمجھ میں آئی ٹھیک ایک ہفتہ میں دیکھا گیا کہ انگلستان کا ایک آدمی بھی اپنے دماغ میں اسی کا خیال پا رہا ہے آخر بتایا جائے کہ اس توارد کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔

تصحیح خدام الدین کے گزشتہ شمارے میں حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر صاحب سے ایک ملاقات میں ان کے گاؤں اور قوم کے بارے میں غلطی ہو گئی تھی مولانا کا گاؤں عنایت پور ڈاکخانہ جلالپور تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان اور قوم راجپوت بھٹی ہے۔

ادارہ اس غلطی کے لئے معذرت خواہ ہے۔

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے

جیسے اعمال ہونگے ویسے ہی نتائج ہونگے

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

دنیا میں دولت اور وسائلِ دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا کہ اس کا ردِّ فعل پیدا ہو۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اوّلین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رُخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشلزم جا رہا ہے؟ بلاشبہ سمجھا جا سکتا ہے، لیکن ایک خاص درجہ تک اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

دو صورتیں ہیں اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق رکھا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائلِ دولت کا احتکار روک دیا جائے اور کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصّہ کمزور افراد کے لیے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمّہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے، لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد طبقات کی حالت یکساں نہیں ہوسکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں، تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں بہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیّت کا حق تسلیم کیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے، وہ اس کا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں۔ انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے، وہ پہلی ہے اور سوشلزم جس بات کے لیے ساعی ہے۔ وہ دوسری ہے دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے۔

یعنی دولت کا احتکار روکا جائے، لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ

ا ہے دوسرا اسے مٹا دینا چاہتا
۔

اسلام اور سوشلزم کا یہ اختلاف
یہ محض (ڈگری) کا اختلاف معلوم
ہے، لیکن تہ میں مبدار کا اختلاف
موجود ہے۔ سوشلزم کا نظریہ
کہ مدارج معیشت کا اختلاف
قدرتی اختلاف نہیں ہے، لیکن
ن میں اس طرح کے اشارات
بجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف
تی ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں
آئے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہاں
ب کی حالت یکساں ہو جاتی تو
م و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی
اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی، تو
ن کی قدرتی قوتوں کے اُبھرنے اور
پانے کے لیے کوئی شے محرک بھی
ہوتی اور اجتماعی زندگی کی د، تمام
رمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے
تمام کارخانہ چل رہا ہے۔

"اور وہی ہے جس نے
تمہیں زمین پر ایک دوسرے کا
جانشین بنایا اور بعض کو بعض
پر مرتبے دیئے، تاکہ جو کچھ
تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں
آزمائے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار
(بدعملیوں) کی فوراً سزا دینے
والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑا
ہی بخشنے والا رحمت والا
ہے۔"

اس آیت میں تین باتوں کیطرف اشارہ کیا ہے۔ اولاً خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشے میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائج کا وارث ہوتا ہے۔ ثانیاً درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوتے۔ بعض اُوپر ہوتے بعض ان سے نیچے۔ ثالثاً مدارج معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لیے ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لیے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے کر لے آخر میں فرمایا، خدا کا قانون جزا سُست رفتار نہیں۔ یعنی سعی و طلب کی اسی امتحان گاہ سے جزائے عمل کا معاملہ وابستہ ہے۔ جیسے جس کے اعمال ہوں گے، ویسے ہی نتائج اس کے حصے میں آجائیں گے۔

اسی طرح جابجا قرآن میں پاؤ گے۔

(۶ = ۱۷) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ (۴۳ = ۳۲) دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کر دی اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں۔ کوئی کسی درجے میں ہے۔ کوئی کسی درجے میں۔

بہرحال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنا نہیں چاہتا، لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامانِ معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو اور سعی و ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔ اس لئے ہر طرح کی نسلی، خاندانی جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز مٹا دیئے۔ اس لئے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا۔ اس نے وہ تمام رکاوٹیں دُور کر دیں جو سوسائٹی کے اُونچے طبقوں نے کمزور افراد کی ترقی و خوشحالی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں۔ اس نے قانون سازی کے ذریعے دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا۔ اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا۔ اس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں۔ اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی اس نے جُوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا۔ پھر ان تمام باتوں سے بڑھ

صبر

خدیجہ قاریہ ——— گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

صبر کا مفہوم

اردو میں صبر کے معنی بہت محدود ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ صبر کے معنی یہ ہیں کہ موت، بیماری اور فقر و تنگ دستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح برداشت کیا جائے کہ شکوہ شکایت کا اظہار نہ ہو مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی کسی نیک کام کے لئے صدموں، تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رح لکھتے ہیں کہ:-

"صبر کے لغوی معنی روکنے اور سہارنے کے ہیں۔"

امام راغب رح فرماتے ہیں:

"اطاعت پر قائم رہنا، نافرمانی سے پرہیز کرتے رہنا صبر ہے۔"

صبر کی اہمیت

قرآن نے جن خوبیوں پر زور دیا ہے ان میں "صبر" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:-

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ہ"

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد مانگو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

حالات جیسے بھی ہوں، ہمیں چاہیئے کہ ہم چٹان کی طرح حق پر جمے رہیں۔ پھر ہم خدا کی قدرت کے کرشمے دیکھیں۔

سورۂ آل عمران میں ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

"اے ایمان والو! صبر سے کام لو اور ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو اور مستعد اور کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے مسلسل نقصانات جو اسے برداشت کرنے پڑتے ہیں تو وہ اپنی قربانیوں کا کوئی پھل نہیں دیکھ سکتا۔ جس وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ایسے موقع کے لئے قرآن میں ہے۔

وَاصْبِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

"صبر کرو۔ پس بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا نیک کاموں کو۔"

"صبر" اللہ کی توفیق سے حاصل ہوتا

سورۂ نحل میں صبر ساتھ یہ بات بھی واضح کی کہ صبر کی صفت اللہ کی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ اللہ جو عزم و ارادہ کی طاقت کی فطرت میں ودیعت رکھی وہ اس سے کام لے ثابت قدمی کی دعا کرے۔

صبر کی اساس

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ۔

"اور جو اپنے رب کی رضامندی کی خاطر صبر کرتے ہیں۔"

پھر ان کا اخروی انجام بیان فرمایا۔

صبر والوں کا انجام

سورۃ الرعد کی ایک آیت کا مطلب یہ ہے کہ:۔

"ان کے گھر پر دروازے سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ سلام ہو تم پر کہ تم نے دنیا میں صبر کو اپنا شعار بنا لیا۔ آخرت کا ٹھکانا اچھا ہے۔"

صبر کا انعام

سورۃ فرقان کی ایک آیت کا خلاصہ یہ ہے:۔

"اللہ کے وہ بندے جنہوں نے صبر کیا وہ محل پائیں گے جنت میں، سلام سے ان کا استقبال ہوگا۔ ان کا بہت اچھا ٹھکانا ہے۔ یہ ان کے صبر کا بدلہ ہے۔"

سب سے پہلے صبر

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ .... الخ

"صبر کرنے والے، سچ بولنے والے اور اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے۔"

اس آیت میں جنتی بندوں کے اوصاف بتائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے صبر کا ذکر کیا گیا ہے۔

خوشی اور تکلیف دونوں میں خیر ہی خیر

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"بندہ کا معاملہ بھی عجیب ہے اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہے اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکریہ ادا کرنے تب بھی خیر ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرے۔ اس میں بھی خیر ہے۔"

صبر کا پھل جنت

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے کہ "اے آدم کے بیٹے! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا، میری رضا کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہونگا جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔"

مصیبت کے اخفا پر جنت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔

"جو بندہ کسی جانی یا مالی نقصان میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے نہ لوگوں سے شکایت کرے اللہ اسے بخش دے گا۔"

آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے کہلا بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے لہذا آپؐ اس وقت تشریف لے آئیں۔ آپؐ نے ان کے جواب میں سلام کہلا بھیجا اور پیغام دیا کہ اے بیٹی! اللہ جو بھی کسی سے لے وہ اس کا اپنا ہے۔ ہر چیز کے لئے وقت مقرر ہے۔ پس

چاہئے کہ تم صبر کرو اور اللہ سے اس صدمہ کے اجر کی طالب ہو۔"

حضرت زینبؓ نے پھر پیغام بھیجا آپؐ تشریف لائے آپؐ کے ساتھ اور بھی صحابہ کرام تھے پس بچہ آپؐ کی گود میں دیا گیا اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر آپؐ کے آنسو بہنے لگے اس پر سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رحمت کے اس جذبے کا اثر ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھ دیا۔"

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صبر کے منافی نہیں آنسو گرانا۔

آپؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کو جو کانٹا چبھتا ہے وہ بھی اس کے لئے نیکی ہے۔ چراغ گل ہونے پر آپؐ نے انا للہ پڑھا۔ اس سے بھی مسلمان کو تکلیف ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ: "وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ۔ صبر روشنی ہے۔"

ایک حدیث میں صبر کو آدھا ایمان کہا گیا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے "صبر کی توفیق سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔"

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "الصبر نصف الایمان" صبر آدھا ایمان ہے۔"

"صبر" اللہ والوں کی نظر میں

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

"جب تک صبر ہے ایمان ہے، جب صبر گیا تو ایمان بھی جاتا رہا۔"

اور:۔

"صبر ایسی سواری ہے جس سے گرنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

"صبر کی عادت ڈالو کیونکہ دنیا مصیبتوں کا مجموعہ ہے۔"

"صبر نہ ہو تو افلاس بھاری عذاب ہے۔ اگر صبر ہو تو یہ انعام ہے۔"

حضرت ابوعلی دقاقؒ کا ارشاد ہے:۔

"وہ شخص صابر نہیں جو صبر کرتا ہے اور شکایت بھی کرتا ہے۔"

حضرت احمد حضرویہؒ نے فرمایا:۔

"صبر کی حد یہ ہے کہ وہ تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔"

بقیہ: اسلام دولت ......

کہ یہ کہ انسانی زندگی کے اعمال حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی۔ ادھر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکالے بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے۔

لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ انفرادی ملکیت کی جگہ قومی معیشت کا نظام قائم کر دے اور مدارج معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔ وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی ترقی کے لیے محور و محرک رہی ہے۔ وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے، لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا، تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہیں۔

دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ نہیں پہنا سکا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اسکے مطالبے کا حق ہے کہ مزید تجربے کا موقع دیا جائے۔

سائنسی ایجادات کا سرچشمہ

علمی و فکری قوتوں کا نتیجہ یا قدرت کی کرشمہ پروازی

علامہ مناظر احسن گیلانی

سورۂ کہف میں باغ اور کاشت رکھنے والے آدمی کو یعنی لمبی پیمانے پر جسے رزق دی گئی تھی اسی کے متعلق کہنے والوں کی زبان سے یہ فقرہ جو کہلوایا گیا ہے :

ولولا اذ دخلت جنتک

قلت ماشاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ

اور کیوں نہ ہو کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کہا ہوتا کہ، جو کچھ ہے سب اللہ کا چاہا ہے، نہیں ہے قوت لیکن اللہ ہی سے۔

جس کا حاصل یہی ہے کہ نعمتوں کو پانے کے بعد آدمی کو چاہیئے کہ واقعہ کے مطابق ان کے متعلق جو صحیح دانش اور علم ہے اس کو اپنے سامنے سے اوجھل نہ ہونے دے۔ مثلاً باغ والے کے سامنے اس کا باغ تھا۔ حکم دیا گیا کہ اس باغ میں جب جایا کرو تو دو باتیں سوچا کرو۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ ہے سب اللہ کا چاہا ہوا ہے اور دوسری بات یہ کہ قوت اور طاقت جو کچھ بھی جس کسی میں ہے اس کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات مبارک ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلی بات کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جن شکلوں میں نعمتوں کا ظہور ہوا ہو ان کو دیکھ کر چاہیئے کہ اس واقعہ کے احساس کو ہم اپنے اندر پیدا کرتے رہیں کہ ان کی آفرینش اور پیدائش سے ہمارا کوئی تعلق ہے، بلکہ یہ سب کچھ قدرت کی کارفرمائیوں کا نتیجہ و اثر ہے۔ باغ ہی کو دیکھئے۔ باغ کی زمین، باغ کے درخت، درختوں کی شاخیں، پتے، پھول، پھل اسی طرح وہ سارے اسباب جنہیں باغ کی نشوونما بارآوری میں دخل ہے ان میں کوئی چیز بھی ایسی ہے جسے آدمی پیدا کرتا ہے۔ باغ تو خیر باغ ہی ہے۔

انسانی مصنوعات اور قدرت کی کارفرمائی

ایسی چیزیں جنہیں ہم انسانی مصنوعات خیال کرتے ہیں، بلکہ جن مصنوعات کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ فلاں کی ایجاد ہے۔ مثلاً ریل گاڑی اور اس کے انجن ہی کو لیجیے۔ سوچیئے، انجن کے اجزاء لوہا، تانبا، پیتل، انجن کے فلزاتی و ہیزمی عناصر اور ان کے سوا جو چیزیں اس کے بنانے میں استعمال ہوتی ہیں کیا ان میں سے کسی ایک چیز کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ اسی طرح انجن جن چیزوں سے چلتا ہے۔ بتایئے کہ آگ ہو یا پانی کیا آدمی ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ پانی کو آگ پر چڑھانے سے اسٹیم پیدا ہوتی ہے کیا پانی اور آگ میں یہ خاصیت آدمی کی رکھی ہوئی ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ بھی قدرت ہی کا بنایا ہوا قانون ہے۔ اسٹیم میں حرکت پیدا کرنے کی قوت ہے۔ کیا اس قوت کو آدمی نے پیدا کیا ہے؟ سوچتے چلے جایئے اگر آپ حقیقت پر نظر جماتے ہوئے سوچیں گے تو بالآخر ہر سوال کے جواب میں آپ کو وہی "ماشاء اللہ" کہنا پڑے گا۔ یعنی سب اللہ کا چاہا ہوا ہے اور اسی کی قدرت کی یہ کرشمہ پروازیاں ہیں۔ یہ تو پہلے فقرے ماشاء اللہ کا مطلب ہوا۔ رہی دوسری بات یعنی "لا قوۃ الا باللہ" یہ اس وسوسہ کے ازالہ کی طرف اشارہ ہے جو عموماً ایسے موقعہ پر دلوں میں پیدا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔ خیال یہ گزرتا ہے کہ ہیں تو یہ سب کچھ قدرتی پیداوار اور قدرتی قوانین ہی کے نتائج، لیکن انسان جب تک ان قوانین کا علم نہ حاصل کرے اور علم حاصل کرنے کے بعد اپنی محنت و توجہ کو ان پر صرف نہ کرے۔ عقل کی ترکیبوں اور ذہن کی تجویزوں کو ان میں نہ لگائے انجن کا وجود نہیں ہو سکتا اور انجن ہی کیا، باغ میں جب تک باغبانی کے قواعد و قوانین کی پابندی نہ کی جائے گی اس وقت تک جیسا کہ چاہیئے اس کے پھلنے پھولنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور اتنا حصہ ان چیزوں میں یقیناً آدمی کا ہے اسی وجہ سے ان چیزوں کو انسانی مصنوعات و ایجادات میں لوگ شمار کرتے ہیں، ورنہ اتنا احمق کون ہوگا جو سمجھتا ہو کہ انجن کے لوہے یا اس میں جو آگ جلتی ہے، جو پانی خرچ ہوتا ہے ان چیزوں کا ایجاد کرنے والا اور پیدا کرنے والا آدمی ہے۔

علمی و عملی قوتوں کا خالق اللہ ہے :

در اصل اسی کے متعلق اس دوسرے فقرے میں چاہا گیا ہے کہ ٹھیک ٹھیک حقیقت اور واقعہ کے بالکل مطابق اپنے علم کو کر لیا جائے۔ یعنی یہ سوچنا چاہیئے کہ بلا شبہ ان امور کے ظہور میں انسانی ترکیبوں اور تدبیروں کا تعلق انسان کی جن علمی و عملی قوتوں سے ہے۔ خود ان قوتوں کا پیدا کرنے والا کون ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم جب خود اپنے پیدا کرنے والے نہیں ہیں تو ان قوتوں کے پیدا کرنے والے ہم کیسے ہو سکتے ہیں جو ہمارے اندر پائی جاتی ہیں، بلکہ جو ہمیں پیدا کرنے والا ہے ظاہر ہے کہ اسی کے ارادہ و مشیت سے ہماری ان قوتوں کا بھی تعلق ہے "لا قوۃ الا باللہ" دراصل اسی واقعہ کی یافت کا نام ہے۔

اس کی شہادت

یوں بھی اگر سوچا جائے کہ جن ایجادات و انکشافات کو ہم اپنی دماغی قابلیتوں، فکر و غور کی محنتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں کیا واقعی وہ ہمارے فکری نتائج ہوتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے دو چیزیں پیش کرتا ہوں۔ ایک واقعہ تو یہ ہے کہ جدید مصنوعات و ایجادات یا انکشافات جن لوگوں کی طرف منسوب ہیں، زیادہ تر میرا خیال ہے کہ اگر صد فی صد نہیں تو ۹۰ فیصد یہ وہی لوگ ہیں جنہیں باضابطہ تعلیم کا یا تو سرے سے موقعہ ہی نہیں ملا یا کچھ تھوڑی بہت ابتدائی تعلیم کسی نے حاصل بھی کی ہے یا تو عام طور پر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات کے مقابلہ میں ان کی تعلیم صفر کی حیثیت رکھتی ہے اس بیسویں صدی کے موجد اعظم ایڈیسن ہی کو لیجیے، اس بہرے موجد کی سوانح عمری سے کون واقف نہیں، سوال یہی ہے کہ اگر آدمی کی فکری و عقلی قوتوں کے نتائج یہ ایجادات ہیں تو چاہیے کہ عقلی قوتوں کی تربیت کا جن لوگوں کو اعلیٰ تعلیم گاہوں میں موقعہ ملا یا ملتا رہتا ہے ان کا دماغ ایجاد کرنے میں سبقت کرتا، لیکن جب واقعہ یہ نہیں ہے تو غور کرنے کی بات ہے کہ ان انکشافات و ایجادات کو ہم کس چیز کا نتیجہ قرار دیں،

دوسری بات اسی کے ساتھ جسے میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے، شاید دوسرے بھی جانتے ہوں کہ ان ایجادات و انکشافات کے متعلق ایک عجیب انکشاف یہ بھی ہے کہ عموماً کسی ایک ایجاد کا خیال کسی ملک میں کسی شخص کے دماغ میں جب آیا تو ٹھیک ان ہی دنوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بالکل دور دراز ممالک کے رہنے والوں میں سے بھی کسی کے دماغ میں بھی ٹھیک ان ہی دنوں میں اس ایجاد کا خیال آیا

اعلان داخلہ

شعبہ تجوید و قرأت

مدرسہ قاسم العلوم متعلقہ انجمن خدام الدین اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور

استعداد ــــــ حافظ قرآن۔ قرأت کی مروجہ کتب اور مشق کروا کے سند جاری کی جائے گی۔

ناظم مدرسہ قاسم العلوم اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور فون ۶۴۹۸۴

دارالعلوم مدنیہ ڈسکہ کلاں ضلع سیالکوٹ

ضلع سیالکوٹ میں علوم دینیہ کا ایک منفرد ادارہ ہے جس میں درس نظامی مکمل و جدید عربی فاضل عربی کی مکمل تعلیم کا انتظام عرصہ پچیس سال سے جاری ہے۔ تدریسی انتظامات معقولات و منقولات کے ماہر مدرسین سرانجام دے رہے ہیں۔ حفظ و ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم کے لئے ہر دو شعبہ میں تین مخلص قراء موجود ہیں۔ عنقریب دارالعلوم کا الحاق جامع ام القری یونیورسٹی مکہ معظمہ سے متوقع ہے لہٰذا طلبہ جلد از جلد داخلہ کیلئے رجوع فرمائیں

داخلہ ۱۰ ر شوال سے ۳۰ ر شوال تک جاری ہے۔

منجانب: مہتمم دارالعلوم مدنیہ ڈسکہ کلاں ضلع سیالکوٹ فون ۶۳۷

338

فون نمبر ۶۴۹۸۴	ہفت روزہ خدام الدین لاہور	رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴

چوتھا ایڈیشن

زیر طبع ہے

: ھدیہ :

قسم اعلیٰ	قسم اوّل	قسم دوم
۱۵۰/- روپے	۱۲۰/- روپے	۸۵/- روپے

حضرت لاہوریؒ کے ترجمہ کے شائقین اور تاجر حضرات ۵ ستمبر کے بعد کسی بھی قسم کا آرڈر ارسال فرمائیں۔ تاجر حضرات بذریعہ خط و کتابت اپنے معاملات طے فرمالیں۔

ناظم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

ٹیلی فون نمبر ۶۲۹۸۴ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۰۰۰

شرائط حسب ذیل ہیں :-

- درس نظامی کا فارغ ہونا۔
- عمر ۲۲ سال۔
- جس مدرسہ سے فارغ ہوا ہے اس کے مہتمم کی کیریکٹر کے متعلق سند۔
- داخلہ انٹرویو کے بعد ہوگا
- تخصص فی التفسیر کے ساتھ میٹرک کی تیاری۔
- مولوی فاضل کے بعد ایف' اے۔ بی' اے تک کی تیاری۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم اور پنجاب یونیورسٹی کے تفسیر و حدیث کے استاذ پروفیسر مولانا نور الحسن صاحب نے ہفتہ میں ایک ایک بار "تخصص فی التفسیر" کے طلباء کو پڑھانا منظور فرما لیا ہے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا حمید الرحمٰن صاحب صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور باقاعدگی کے ساتھ تعلیم دیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ

> ۲۸ شوال المکرم کو انٹرویوز کا دوسرا مرحلہ ہوگا اور صرف ۵ باقی نشستوں کے لئے امیدواروں میں سے انتخاب کیا جائے گا۔

المعلن :- ناظم مدرسہ قاسم العلوم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور